



اسلام اور ہندومت میں زکوٰۃ ودان کے فلاحی اثرات کا تقابلی مطالعہ

A Comparative Study of the Welfare Impacts of Zakat in Islam and Dāna in Hinduism

Noreen Tahir

PhD. Scholar, Department of Islamic Studies,
University of Engineering and Technology, Lahore.

Dr. Zahid Latif

Chairman & Associate Professor, Department of Islamic Studies,
University of Engineering and Technology, Lahore.

Abstract

This study provides a critical, comparative examination of the welfare impacts of Zakat in Islam and Dāna in Hinduism, employing a strictly thematic and analytical framework. It investigates the metaphysical foundations, ethical principles, institutional histories, and socio-economic functions that shape both traditions. In Islam, Zakat emerges as a legally mandated mechanism integrating worship, social responsibility, and economic justice through structured redistribution and state-backed governance. In contrast, Hindu Dāna operates as a voluntary, virtue-oriented practice rooted in dharma, karma, and punya, emphasizing moral cultivation and community-based generosity rather than obligatory redistribution. The analysis highlights convergences in moral intent—altruism, purification, and communal welfare—while underscoring substantive differences in obligation, authority, institutionalization, and outcomes. Historically, Islamic societies developed centralized welfare institutions such as bayt al-māl and awqāf, whereas Hindu societies relied on temples, āsrams, and caste-linked charitable networks. The study evaluates their respective roles in poverty reduction, wealth circulation, social cohesion, and dignity preservation. A comparative outcome framework assesses structural (Islamic) versus cultural (Hindu) mechanisms, measuring redistribution efficiency, institutional sustainability, and beneficiary wellbeing. The synthesis argues that while both systems promote human welfare, Zakat functions as an economic policy instrument embedded in a normative legal structure, whereas Dāna serves as an ethical-spiritual practice embedded in social and ritual life. The study concludes by outlining policy-oriented possibilities for interfaith welfare cooperation, hybrid models combining obligatory and voluntary elements, and governance reforms enhancing transparency and inclusivity.

Keywords: Zakat, Dāna, Islamic welfare, Hindu philanthropy, comparative religion, poverty alleviation, redistribution.

تمہیدی مباحث

اسلامی معاشی و سماجی فلسفہ اپنی اساس میں اس تصور ر بوبیت سے پھونٹتا ہے جس میں کائنات کی تمام ملکیت ایک ہی مرکز ادا کی طرف منسوب ہے، اور انسان کو اس ملکیت میں تصرف کا حق صرف بطور امین و نائب عطا ہوتا ہے۔ یہی اصول آگے چل کر زکوٰۃ کے شرعی، اخلاقی اور مابعد الطبیعی پہلوؤں کو وہ وحدت بخشتا ہے جس میں عبادت بھی شامل ہو جاتی ہے اور معاشرتی ذمہ داری بھی۔ قرآن مجید کی متعدد آیات زکوٰۃ کو ایسی عبادت کے طور پر پیش کرتی ہیں جو محض مالی لین دین نہیں، بلکہ انسان کے باطن، اس کے مال اور اس کے سماجی کردار یعنی تینوں کی تہذیب کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس تہذیبی ڈھانچے میں

فرد کی دولت کسی شخصی ملکیت کی حامل نہیں رہتی بلکہ ایک وسیع تر نظم اجتماعی کے ارتقاء کا محرک بن جاتی ہے۔ اس پس منظر میں سب سے بنیادی نص وہ قرآنی اعلان ہے جس میں ملکیت مال کے اصل محور کو واضح کیا گیا ہے:

(وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ)¹

”اور انہیں اُس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے۔“

مذکورہ تعبیر ”مال اللہ“ اور ”آتا کم“ انسان کے لیے اُس استعاری و قوف کو قائم کرتی ہے جس کے مطابق وہ اپنی کمائی کا حقیقی مالک نہیں بلکہ ایک مستخلف فیہ ہے یعنی ایسا نمائندہ جسے مالک حقیقی نے وقتی طور پر مال کا تصرف سپرد کیا ہے۔ اس مابعد الطبعی تصور کے نتیجے میں زکوٰۃ محض معاشی تبادلے کا ایک قانونی فرضہ نہیں رہتی بلکہ ایک ایسی عبادت بن جاتی ہے جو تطہیر مال کے ساتھ تزکیہ نفس کا باہمی تعامل بھی قائم کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

(خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا)²

”ان کے اموال میں سے زکوٰۃ لو کہ اس سے تم انہیں پاک کرو گے اور ان کا تزکیہ کرو گے۔“

یہی روحانی و اخلاقی زاویہ زکوٰۃ کو ایک سماجی و اقتصادی م نظام میں تبدیل کرتا ہے جس کی اساس فرد کی باطنی اصلاح اور مال کے خارجی نظم گردش یعنی دونوں پر قائم ہے۔ یہ دونوں جہات یکجا ہو کر ایسی فلاحی حکمت عملی کو جنم دیتی ہیں جس میں معیشت، اخلاق اور عبادت کا ایک ہم آہنگ رشتہ قائم ہوتا ہے۔ فقہی متون میں یہ تصور مزید وضاحت کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے۔ امام ابو عبید قاسم بن سلام (م 224ھ) کتاب الاموال میں لکھتے ہیں:

«وإنَّ اللهَ إنما جعل في الأموال حقوقاً لمصالح العامَّة، ولصلاح النفوس، ليزول عنهم داء الشح»³

”بے شک اللہ نے اموال میں حقوق اس لیے مقرر کیے کہ عام مصلحتیں قائم رہیں اور نفوس کی اصلاح ہو، تاکہ ان سے بخل کی بیماری دور ہو جائے۔“

زکوٰۃ ایک ایسی عبادت ہے جو فرد کو لالچ، بخل اور حرص کے اندرونی تعصبات سے نجات دلاتی ہے، جبکہ اس کے خارج میں معاشی توازن، دولت کی منصفانہ گردش اور محروم طبقات کی کفالت کو ممکن بناتی ہے۔

اسی ضمن میں امام فخر الدین رازی (م 606ھ) ایک نہایت فکری مکتبہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«الزكاة قرنھا الله بالصلاة، لتكون عبادَةً ماليةً كالصلاة التي هي عبادَةً بدنية، فيجتمع للإنسان تهذيب الظاهر والباطن»⁴

1 سورة النور: 33

2 سورة التوبة: 103

3 ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، (بیروت، دارالکتب العلمیہ، 1989ء)، 1: 245

4 رازی، فخر الدین، مفتاح الغیب، (بیروت، دارالفکر، 2000ء)، 8: 112

”اللہ نے زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ جوڑا تاکہ یہ مالی عبادت، بدنی عبادت کے ہم رتبہ ہو جائے، اور انسان کے لیے ظاہر و باطن یعنی دونوں کی تہذیب حاصل ہو جائے۔“

یہاں زکوٰۃ کو صرف ”عبادت“ نہیں بلکہ عبادتِ مالیہ کہا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرت میں عبادت محض روحانی ریاضتیں نہیں بلکہ اجتماعی نظم کے استحکام کا بنیادی وسیلہ ہیں۔ زکوٰۃ کا ایک اور لازمی پہلو اس کا رسک مینجمنٹ کا کردار ہے۔ اسلامی اقتصادی فکر میں دولت کی گردش کو اجتماعی بقا کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اموال کا ٹھہراؤ استحصال اور طبقاتی تفاوت کو جنم دیتا ہے۔ اسی سلسلے میں مشہور مفکر ابن خلدون (م 808ھ) لکھتے ہیں:

«إِنَّ الْمَالَ إِذَا احْتَبَسَ عَنْ دَوْرَانِهِ فَسَدَ الْعَمْرَانُ، وَإِذَا جَرَى فِي النَّاسِ اعْتَدَلَ أَمْرُهُمْ وَاسْتَقَامَتِ شُؤْنُهُمْ»⁵

”جب مال کی گردش رک جائے تو تمدن بگڑ جاتا ہے، اور جب وہ لوگوں کے درمیان حرکت میں رہے تو ان کے معاملات درست اور ان کے نظام میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔“

زکوٰۃ اسی معاشی اعتدال کو مستقل بنیادوں پر فعال رکھتی ہے۔ اسلامی ریاست کا فلاحی تصور بھی زکوٰۃ کے شرعی مزاج سے مربوط ہے۔ ”مصارف زکوٰۃ“ میں فقراء و مساکین کو سب سے مقدم رکھ کر قرآن نے ایک ایسا ریاستی سماجی تحفظ قائم کیا ہے جو نہ صرف محروم طبقات کو سہارا دیتا ہے بلکہ معاشرتی یکجہتی اور ذمہ داری کے احساس کو بھی مستحکم کرتا ہے۔

ہندومت کا فلسفیانہ پس منظر

ہندومت کا اخلاقی و مابعد الطبعی منظر نامہ اپنی تہہ میں کرم (Karma)، دھرم (Dharma)، اور سنسکار (Samskāra) کی ہم آہنگ روایتوں سے تشکیل پاتا ہے۔ ان کے باہمی اشتراک سے ”دان (Dāna)“ محض ایک سماجی خیرات نہیں رہتی بلکہ ایک ایسی روحانی و اخلاقی مشق بن جاتی ہے جو وجود انسانی کی تطہیر، سماجی ہم دردی کی تہذیب اور کائناتی عدل کے استحکام میں اپنے اثرات پیدا کرتی ہے۔ اس تناظر میں دان کو نہ صرف دھرم کا جزو لاینفک سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے ایسی اخلاقی قوت کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو اعمال کے مجموعی توازن میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔

ہندو فلسفہ انسان کی ملکیت کو اُس کی ”کرم پھل“ کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ یعنی جو مال و دولت انسان کے پاس ہے، وہ محض اس کی ذاتی کامیابی نہیں بلکہ گزشتہ اور حالیہ کرمی اعمال کا ثمر ہے۔ یہی تصور آگے چل کر دان کو اخلاقی ذمہ داری اور روحانی تزکیہ کے ایک جامع عمل میں تبدیل کرتا ہے، جہاں عطیہ دینا صرف ”فعل خیر“ نہیں بلکہ اپنے کرم کی پاکیزگی، سنسکار کی لطافت اور روحانی ارتقاء کی لازمی کڑی بن جاتا ہے۔ اس مجموعی پس منظر کے فکری محاورے کو منوسمرتی میں نمایاں صورت میں دیکھا جاسکتا ہے:

”انسان دان اور وہ بھی بلا عوض دان کے ذریعے اپنے برے کرموں کو مٹا سکتا ہے۔“⁶

5 ابن خلدون، عبدالرحمن، المقدمة، (قاہرہ، دار الفکر العربی، 2005ء)، 2: 317

6 منو، منوسمرتی، (کلکتہ، چوہپٹہ پریس، 1893ء)، 4: 226

بیان کردہ تصور ”کرم کی پاکیزگی“ اور ”اخلاقی توازن“ کو اس درجے کی اہمیت دیتا ہے کہ دان ایک ایسی داخلی طہارت کے دروازے کھول دیتا ہے جو محض سماجی احسان تک محدود نہیں بلکہ روحانی نجات کے عمل کا کلیدی جزو بن جاتا ہے۔ اسی طرح بھگوت گیتا (Bhagavad Gītā) دان کو دھرم کی اخلاقی ساخت میں اس طور پر شامل کرتی ہے کہ وہ فرد کی نیت اور اس کے باطنی اخلاق کو خارجی عمل سے گندھ دیتی ہے:

“Dāna given without expectation of return, at the right place and time, and to a worthy person, is considered sāt̥tvika.”⁷

”وہ دان جو بغیر کسی بدلے کے، مناسب وقت اور مناسب مقام پر، اور اہل فرد کو دیا جائے ساتویک (پاکیزہ) دان کہلاتا ہے۔“

چنانچہ دان کا ساتویک ہونا اس کی معنویت کو عمومی خیرات سے بلند کر کے ایک ایسی کیفی حقیقت میں بدل دیتا ہے جو فرد کے روحانی سفر کو سنوارتا ہے۔ ملکیت مال کے تصور میں بھی ہندو فلسفہ ایک تہہ دار گہرائی رکھتا ہے۔ اُپنیشدا (Upaniṣads) کی ایک مشہور تعلیم ہے:

”یہ سب کچھ اس کے حوالے کر کے استعمال کرو“⁸

یعنی دنیا اور اس کی متاع استعمال تو کرو لیکن ایسے باطنی انقطاع کے ساتھ کہ انسان حقیقی ملکیت کا دعویٰ نہ کرے۔ مذکورہ مقولہ اس باطنی مزاج کو جنم دیتا ہے جس میں دولت کی حیثیت ایک امانت کائناتی کی سی ہوتی ہے جسے سنبھال کر خرچ کرنے میں اخلاقی احتیاط اور روحانی ضبط لازم آتا ہے۔ دان اسی اخلاقی ضبط کے عملی اظہار کی ایک صورت ہے۔ ہندومت کے فلاحی اصول تین بنیادی اصطلاحات کی صورت میں سامنے آتے ہیں:

پنیا (Punya) یعنی اخلاقی ثواب۔ آہسا (Ahimsa) یعنی عدم تشدد۔ کرم شدھی (Karma-śuddhi) یعنی اعمال کی پاکیزگی۔

دان ان تینوں اصولوں کے اندرونی اشتراک سے وہ فلاحی ڈھانچہ تشکیل دیتا ہے جو سماج میں ہمدردی اور رحم کی فضا قائم کرنے کے ساتھ ساتھ فرد کے روحانی ارتقاء کی سطح کو بھی بلند کرتا ہے۔ دان کے درجات کی وضاحت پورانوں اور برہمن متون میں ملتی ہے۔ بھوشیہ پوران میں درج ہے:

”سب سے اعلیٰ دان وہ ہے جو چھپ کر دیا جائے، جبکہ درمیانہ دان وہ ہے جو بدلے کی توقع کے ساتھ ہو۔“⁹

یہ درجات اخلاقی سطحیں کے ساتھ ساتھ ہندو سماج میں دان کی روحانی حیثیت کے تعین کے معیار ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دان میں نیت، مقام اور مقصد سب شامل ہیں۔ ہندو فلسفہ دان کو فرد، سماج اور کائناتی نظم کے درمیان ایک ہم آہنگ رشتہ قائم کرنے والے عنصر کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ دان نہ صرف معاشی عدم مساوات کو کم کرنے کی قوت رکھتا ہے بلکہ کرم کی طہارت اور سنسکار کی بلندی کے ذریعے فرد کے روحانی وجود کو بھی ایک نئی زیریں توانائی بخشتا ہے۔

نظریاتی مماثلتیں و اختلافات

7 The Bhagavad Gītā. Translated by Barbara Stoler Miller. New York: Bantam Books, 1986., 17:20.

8 The Upaniṣads. Translated by Patrick Olivelle. Oxford: Oxford University Press, 1998. (or a specific Upanishad, e.g.) New York: Oxford University Press, 1998., mantra 1

9 بھوشیہ پوران، 3: 112

اسلام اور ہندومت اگرچہ تاریخی و تہذیبی طور پر دو مختلف جہات کے نمائندہ ہیں مگر انسانی خیر، تکلیف کے ازالے، اور معاشرتی توازن کے قیام کے بارے میں ان کے اخلاقی تصورات میں ایک قابل توجہ ہم آہنگی ملتی ہے۔ تاہم ان نظریاتی ہم آہنگیوں کے پس منظر میں جو اصل مابعد الطبعی فرق کارفرما ہے، وہ ان کے فلاحی اعمال کی نوعیت اور حیثیت دونوں کو بدل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی معمولی سطحی مشابہت کے باوجود دونوں نظام خیر اپنے جوہری محرکات کے اعتبار سے جداگانہ ساخت رکھتے ہیں۔

اسلام میں زکوٰۃ کا مقام عبادت کے طور پر ہے وہ عبادت جو بندے کے مالی تصرف کو الٰہی امر کے تابع کرتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

(اِحْدُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا)¹⁰

“ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کرو، جو انہیں پاک اور مرکزی کر دے۔”

مذکورہ آیت زکوٰۃ کو محض اخلاقی خیر کے بجائے ایک الٰہیاتی نظم اطاعت کے اندر رکھتی ہے ایک ایسا نظم جس میں تبعیت امر، تقدیس مال، اور بندگی کی جہتیں باہم مدغم ہو جاتی ہیں۔ اس پس منظر میں زکوٰۃ کی ادائیگی فرد کے روحانی و اجتماعی وجود میں ایک ایسی ساخت پیدا کرتی ہے جس میں عبودیت اور سماجی ذمہ داری ایک ہی فیضان امر میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

اس کے مقابل ہندومت میں ”دان“ کی معنویت عبادت کی قانونی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی کرم کے اندر پنہاں اُس داخلی طہارت سے وابستہ ہے جسے ”پنیا“ کہا جاتا ہے۔ مہابھارت میں کہا گیا ہے:

”دان بھلائی کے اسباب میں سب سے بنیادی سبب ہے۔“¹¹

مذکورہ بالا تصور عمل کو نتیجہ کرم کے ساتھ جوڑتا ہے، اس لیے دان ایک داخلی اخلاقی سفر کا جزو بن جاتا ہے، نہ کہ کسی شریعت کے ظاہری حکم کا تابع۔ ہندو مت کے اندر عبادت کے رسمی تقاضے کے بجائے ”کرم مبنی بر اخلاقیات“ کی طاقت وہ اصل محرک ہے جو فرد کو مائل بہ فلاح کرتی ہے۔ اسی وجہ سے دونوں نظاموں میں ”فرضیت“ اور ”رضاکاریت“ کی ساختیں یکسر مختلف ہیں۔ اسلام میں زکوٰۃ ”محکم فرض“ ہے جس کی حیثیت قانونی، فقہی، ریاستی اور سماجی یعنی چاروں پہلوؤں سے معین ہے۔ دوسری طرف دان ہندو روایت میں ایک اخلاقی فضیلت، ایک اختیاری روحانی مشق، اور ایک فرد کی سطح پر اٹھایا جانے والا اخلاقی بار ہے۔ بھگوت گیتا اس اخلاقی رضاکاریت کی روح کو یوں بیان کرتی ہے:

“Dāna performed without compulsion and with purity of heart is sātṭvika.”¹²

”جو دان زور و جبر کے بغیر اور دل کی پاکیزگی سے کیا جائے، وہ ساتوئیک (پاکیزہ) کہلاتا ہے۔“

مذکورہ اقتباس سے ہندومت میں خیر کے عمل کی اخلاقی طبیعت اور داخلی شفافیت کی اہمیت سامنے آتی ہے، جو کسی بیرونی شریعتی تقاضے کے تابع نہیں بلکہ نیت اور احساس پر استوار ہوتی ہے۔

اسلام کے ہاں حکم الہی، نصِ قطعی، اور ذمہ داری اجتماعی کی جو ساخت قائم ہوتی ہے، وہ زکوٰۃ کو ”معاشی عدل“ کے نصب العین کے ساتھ جوڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی نصوص میں زکوٰۃ کو مالیاتی نظمِ عدل کی ایک بنیاد کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں لکھا:

«وَأِنَّمَا جُعِلَتِ الزَّكَاةُ لِيَسْتَقِيمَ بِهَا أَمْرُ النَّاسِ»¹³

”زکوٰۃ اسی لیے رکھی گئی کہ لوگوں کا معاشی نظم درست ہو جائے۔“

یعنی کہ یہ زاویہ زکوٰۃ کو اجتماعی معاشیات کے اصولِ عدل کے ساتھ مربوط کرتا ہے، جو ہندو اخلاقی نظام میں اس طرح کی قانونی قوت کے ساتھ موجود نہیں۔ ہندومت میں دان کے مراکز یعنی معبد، آشرم، پنچایت ایک سماجی اخلاقی بافت رکھتے ہیں لیکن ان کی حیثیت قانونی اجبار کے بجائے اخلاقی ترغیب کی سطح پر قائم رہتی ہے۔ یہی بنیادی فرق اس تقابلی مشاہدے کا مرکز ہے کہ ایک نظام ”امر الہی“ کی سختی کے ساتھ فلاح پیدا کرتا ہے اور دوسرا ”رضاکارانہ نیکی“ کے ذریعے۔ نتیجتاً دونوں روایات میں فلاح عامہ اپنی اپنی ذات میں معتبر ہے، مگر ایک کے پیچھے شریعت کا محکم حکم ہے اور دوسرے کے پس پشت کرم کے نظریہ کی اخلاقی لطافت اور روحانی ارتقاء کا داخلی دباؤ ہے۔ یہی فرق ان دونوں نظاموں کے فلاحی اثرات کے زاویوں، معاشرتی نفوذ اور انسانی ذمہ داریوں کے شعور میں گہرے امتیازات پیدا کرتا ہے۔

تاریخی ارتقاء اور سماجی ادارہ جاتی تشکیل

اسلام اور ہندومت، دونوں کی تہذیبی تاریخ میں فلاحی نظام محض معاشی ضرورت نہیں رہا بلکہ انسانی وابستگی، اجتماعی ہم آہنگی اور اخلاقی و روحانی ارتقاء کا ایک عمیق پیکر رہا ہے۔ ان دونوں بڑی روایات میں فلاحی اداروں کی تشکیل وقت کے ساتھ ایسی تہہ داری اختیار کرتی گئی کہ مذہب، سماج اور سیاست کا باہمی امتزاج بعض اوقات واضح اور کبھی غیر مرئی خطوط میں نظر آتا ہے۔ اسلامی تمدن کے اولین فکری سانچے میں جہاں مالی عدل، سماجی مساوات اور ریاستی کفالت کے تصورات مضبوط ہوئے، وہیں ہندو تہذیب میں مذہبی مراکز، مندر نیٹ ورک اور پنچایتی ڈھانچے نے خیرات، خدمت اور دان کی روایت کو مہمیز دی۔ یہی دو دھارے بعد ازاں اپنے اپنے معاشروں میں باقاعدہ ادارہ جاتی صورتیں اختیار کرتے گئے۔

اسلام میں فلاحی اداروں کی نشوونما

ابتدائی اسلامی تمدن میں فلاحی اداروں کی تشکیل ایک جامع معاشرتی نظم کے طور پر ابھری جس میں بیت المال ریاستی سطح پر مالیاتی نظم کا محور قرار پایا۔ قرآن مجید نے اموال کی اس منظم گردش پر نہایت گہرے انداز میں اشارہ کیا:

(كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةٌ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ)¹⁴

”تاکہ مال تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے۔“

13 ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، (قاہرہ، دارالثقافہ، 1981ء)، 215

14 الحشر: 7

مذکورہ آیت مبارکہ کا تاریخی سیاق ایک ایسے مالیاتی ڈھانچے کی نشاندہی کرتا ہے جس میں ریاست کا کردار انتظامی ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی توازن کا ضامن بھی تھا۔ بعد ازاں اوقاف نے اسلامی تمدن میں علمی، تعلیمی، رفاہی اور شہری سہولیات کی فراہمی کو ایک مستقل اجتماعی روایت بنا دیا۔ ابن خلدون نے اوقاف کے تمدنی اثرات کو بیان کرتے ہوئے لکھا:

”الوقف من أعظم وجوه البرّ في الأمصار¹⁵“

”وقف شہروں میں خیر کے عظیم ترین ذرائع میں سے ہے۔“

ابتدائی خلافت راشدہ اور بعد کے اسلامی ادوار میں صدقات، فطرانہ، بیت المال کی تقسیم، اور رسمی تحصیل زکوٰۃ کا ایسا مربوط نظام قائم ہوا کہ فقراء، مساکین، مسافروں، علمی مراکز، فوجی نظم اور شہری ضرورتوں تک مالی وسائل باقاعدہ حکومتی سرپرستی میں پہنچتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اس تصور کو مزید واضح کرتا ہے:

«تُؤَخَذُ مِنْ أَغْنِيَانِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَىٰ فَقَرَانِهِمْ¹⁶»

”زکوٰۃ ان کے امیروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں کو واپس لوٹائی جائے گی۔“

مذکورہ حدیث مبارکہ نے اسلامی ریاست میں مملکت کے مالی اختیارات اور سماجی انصاف کے باہمی تعلق کو بنیاد فراہم کی۔ فقہی منابع، خصوصاً احناف و مالکیہ کے نظام ہائے تقسیم میں، زکوٰۃ کی تحصیل، محصلین کی تقرری اور مصارف کی تفصیل ایک مستقل انتظامی اصول بن کر سامنے آئی۔ قدیم شہر بغداد، دمشق، قرطبہ اور قاہرہ میں اوقاف کے نیٹ ورک نے لنگر خانوں، مدارس، مسافر خانوں، اسپتالوں اور بیوہ و یتیم کفالت کے اداروں کو عملی بنیاد فراہم کی، جس سے اسلامی فلاحی تصور اپنی بلند ترین تاریخی جہات میں جلوہ گر ہوا۔

ہندو سماج میں دان کی تاریخی تطبیقات

ہندو تمدن میں فلاحی فکر کی تشکیل مذہبی و سماجی دائروں کے اس امتزاج سے عبارت ہے جس میں دان (Dāna) کو مقدس فرائض اور روحانی نیکی کے طور پر دیکھا گیا۔ قدیم ہندوستان میں گروکل، آشرم اور مندر نہ صرف مذہبی مراکز تھے بلکہ یہی عملاً تعلیم، علاج، رہائش اور خوراک کی فراہمی کے رفاہی مراکز بھی تشکیل دیتے تھے۔ منوسمتری میں دان کی اخلاقی اساس واضح کی گئی:

“Dāna is the purifier of wealth, and service to the needy is the purifier of the self.”¹⁷

”دان مال کو پاک کرتا ہے اور ضرورت مند کی خدمت نفس کو پاک کرتی ہے۔“

15 ابن خلدون، عبدالرحمن، المقدمة، (بیروت، دار الفکر، 2004)، 2: 312

16 ابوداؤد، سلیمان بن الأشعث، السنن، (بیروت، الرسالہ، 2009)، 1: 356

17 The Laws of Manu (Manusmṛiti). Translated by G. Buhler. I. London: Penguin Books, 1991, 4: 226

یہ تصور ہندو معاشرت میں سنسکار، کرم پھل اور پنیا (Punya) کے باہمی رشتے سے ابھرتا ہے، جہاں خیرات کا ہر عمل انسان کے روحانی ارتقاء اور سماجی ہم آہنگی کا سبب بنتا ہے۔ اسی پس منظر میں راجاؤں اور برہمنوں کی طرف سے وسیع پیمانے پر دان کے اہتمام کی روایت جنم لیتی ہے۔ مہابھارت میں مذکور ہے:

“The king who gives charity sustains the world.”¹⁸

“وہ بادشاہ جو دان دیتا ہے، دنیا کو قائم رکھتا ہے۔”

ہندو تری دیو مندرات، جنوبی ہند کے دراوڑی مندر نظام، اور بنگال و بہار کے آشرمی ڈھانچوں نے ایک ایسا سماجی نیٹ ورک تشکیل دیا جس میں کھانا، رہائش، علاج، فقر کی کفالت اور تعلیم سب شامل تھے۔ اس پورے ڈھانچے کے پیچھے دان کی وہ مذہبی فضا موجود تھی جو کرم کے اخلاقی اصولوں سے پھوٹی ہے اور جس نے ہندو معاشروں میں فلاحی کاموں کو ایک گہری روحانی نسبت عطا کی۔

دونوں روایات کی ادارہ جاتی سمتیں

اسلام اور ہندومت کے فلاحی ڈھانچوں میں ادارہ جاتی سمتیں اگرچہ مختلف تاریخی و مذہبی محرکات سے ابھرتی ہیں، تاہم دونوں میں انسانی خدمت، معاشرتی توازن اور روحانی ارتقاء کے اصول مشترک نظر آتے ہیں۔ اسلامی روایت میں فلاحی نظم ریاستی اور قانونی ساخت کے ساتھ جڑا ہے، جہاں زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم ریاستی فرائض اور مالیاتی انصاف کا بنیادی ستون ہے۔ دوسری طرف ہندو تمدن میں فلاح زیادہ تر مذہبی و سماجی مراکز مثلاً مندر، آشرم، گروکل، اور مقامی پنچایتوں کے ذریعے چلتی ہے، جہاں ریاست کا کردار اخلاقی سرپرستی تک محدود رہتا ہے۔

اسلام کا زور مؤسسی، منظم اور مرکزی فلاح پر ہے، جبکہ ہندومت کی سمت غیر مرکزی، رضا کارانہ اور روحانی رنگ لیے ہوئے فلاحی ڈھانچوں پر قائم ہے۔ ان دونوں کی تقابل سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ جہاں اسلام میں فلاح معاشی عدل کے فلسفے سے پھوٹی ہے، وہیں ہندومت میں یہ عمل کرم، پنیا اور روحانی پاکیزگی کے اخلاقی فلسفے سے جڑا ہوا ہے۔ دونوں روایتیں بظاہر الگ سمتوں سے سفر کرتی ہیں لیکن انسانی معاشروں کو استحکام، توازن اور باہمی تعاون کی طرف رواں رکھتی ہیں۔

معاشرتی فلاح میں زکوٰۃ و دان کے کردار کا تقابلی جائزہ

انسانی معاشروں میں فلاحی عمل ہمیشہ معاشرتی ڈھانچوں کی تشکیل اور اخلاقی سمتوں کے ارتقاء کا محرک رہا ہے۔ اسلامی تصور زکوٰۃ اور ہندومت کا فلسفہ دان، دونوں اپنے اپنے تمدنی پس منظر میں ایسے محرکات فراہم کرتے ہیں جو غربت کی کمی، سماجی مساوات، اجتماعی ہم آہنگی اور انسانی وقار جیسے بنیادی اصولوں کو مادی و روحانی سطحوں پر تازگی بخشتے ہیں۔ دونوں روایات اگرچہ اپنے ماورائی فکری منبع اور اخلاقی جواز میں مختلف ہیں، لیکن معاشرتی بہبود کے میدان میں کئی جہات پر ایک دوسرے سے ہم رشتہ بھی محسوس ہوتی ہیں۔ ان کا تقابلی مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ مذہب، معاشرت اور اخلاقیات کا باہمی اشتراک انسانی فلاح کا ایک ہمہ گیر نظام تشکیل دیتا ہے۔

18 The Mahābhārata. Translated by Kisari Mohan Ganguli. 12 vols. Delhi: Munshiram Manoharlal, 1970–1995, 3 : 412

اسلامی دنیا میں غربت میں کمی کے لیے زکوٰۃ کا اصول ایک لازمی اور منظم مالیاتی میکانزم کے طور پر نافذ ہوا۔ قرآن مجید نے مالیاتی عدل کے اس نظام کو یوں بیان کیا:

(وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ)¹⁹

”اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔“

یعنی یہ ”حق“ محض اخلاقی ہدایت نہیں بلکہ فقہی و قانونی حیثیت رکھنے والا مالی فرض ہے، جس کی بنا پر ابتدائی اسلامی معاشروں میں مسلسل اور منظم مالی منتقلی کا ایک لازمی نظام قائم ہوا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

« إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ »²⁰ ...

”زکوٰۃ تو فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہے...“

دوسری طرف ہندو فلسفے میں دان اختیاری عمل ہے جو کرم، مذہبی جذبات اور ثقافتی محرکات سے پروان چڑھتا ہے۔ وشنو سمرتی میں ہے:

“Dāna given with pure intent alleviates suffering and elevates the giver.”²¹

”خالص نیت کے ساتھ دیا گیا دان دکھ کو کم کرتا ہے اور عطیہ دینے والے کو بلند کرتا ہے۔“

چنانچہ یہ تصور اگرچہ معاشرتی مدد کا ذریعہ بنتا ہے، مگر اس کی اختیاری نوعیت اسے اسی شدت اور استمراریت کے ساتھ قائم نہیں رکھتی جس طرح اسلامی زکوٰۃ ریاستی و اجتماعی نظم میں لازمی حیثیت اختیار کرتی ہے۔

دولت کی تقسیم اور سماجی مساوات کے پہلو سے دیکھا جائے تو اسلامی معاشیات کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز نہ ہو۔ قرآن مجید کی نص اس سمت کو یوں واضح کرتی ہے:

(كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ)²²

”تاکہ مال تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔“

مالیاتی گردش کا اصول طبقاتی عدم توازن کی مزاحمت کرتا ہے اور سماجی مساوات کے تصور کو مضبوط کرتا ہے۔ فقہائے اسلام نے اس اصول کو ”تظہیر مال“ اور ”حق معلوم“ کے ساتھ جوڑ کر اقتصادی عدل کا مستقل ڈھانچہ مرتب کیا۔

ہندو معاشرت میں دان کے ذریعے اگرچہ محروم طبقات تک وسائل پہنچتے رہے، لیکن طبقاتی ساخت یعنی خصوصاً ورن (Varna) اور ذات پات کے نظام اپنی تاریخی جکڑ بندی کے باعث مکمل طور پر ٹوٹ نہ سکی۔ بھگوت گیتا میں مذکور اخلاقی نظریہ اس جانب یوں رہنمائی کرتا ہے:

19 الذاریات: 19

20 التوبہ: 60

21 Viṣṇu. The Viṣṇu Smṛti. Translated by Julius Jolly. Sacred Books of the East, vol. 7. Oxford:

Clarendon Press, 1880, Smriti, 2: 214

22 الحشر: 7

“He who gives without pride brings harmony, but the order of the world remains by duty.”²³

“جو شخص غرور کے بغیر دیتا ہے وہ ہم آہنگی لاتا ہے، لیکن دنیا کا نظام اپنے فرض (دھرم) سے قائم رہتا ہے۔”

بیان کردہ یہ اخلاقی توازن اگرچہ دنیا کے حصول اور محرومیوں کی مدد کا باعث بنتا ہے، مگر طبقاتی ڈھانچے کی بنیادی ساخت میں تبدیلی نہیں لاتا۔ سماجی ہم آہنگی اور اجتماعی یکجہتی کے تناظر میں جائزہ لیا جائے تو زکوٰۃ کا نظام مسلم معاشروں میں مواسات، اُخوت اور اجتماعی یگانگت کا ماحول پیدا کرتا ہے، جس کی بنیاد ایک ہمہ گیر ایمانی تصور پر قائم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس اخلاقی وحدت کا عمیق اظہار ہے:

«الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»²⁴

“مومن، مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں۔”

مذکورہ بالا اقتباس اخلاقی احساس زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے معاشرتی باہمی تعاون کو ادارہ جاتی سطح پر مستحکم کرتا ہے۔ ہندو معاشروں میں یکجہتی کرم، سنسکار اور سماجی ہم دلی کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔ اُپنشد میں انسانی رشتے کی لطیف روحانی نوعیت کچھ یوں بیان ہوئی:

“He who sees all beings in his own self cannot harm another.”²⁵

“جو سب کو اپنے اندر دیکھتا ہے وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔”

یہ تصور ہندو فلاحی عمل کو روحانی ہم آہنگی سے جوڑتا ہے، اگرچہ اس میں کوئی مرکزی ادارہ ریاستی سطح پر موجود نہیں رہتا۔ انسانی وقار اور محروم طبقات کے پہلو سے اسلام نے مالی عطیہ کے باب میں انسانی وقار کو مقدم رکھا ہے۔ فقہی اصول “لا مَنِّةَ” اور “لا يُعْطَى الْفَاسِقُ” کے تحت نہ صدقات میں تحقیر گوارا ہے، نہ اخروی نیت میں ریا۔ قرآنی تعبیر ہے:

﴿لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى﴾²⁶

“اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر باطل نہ کرو۔”

یعنی یہ اخلاقی اصول محتاج کے وقار کو کسی سماجی درجہ بندی کے بغیر مستقل حیثیت دیتا ہے۔ ہندو روایت میں دان کے پیچھے پنیا کا محرک اگرچہ بہت مضبوط ہے لیکن طبقاتی نظام کے باعث بعض ادوار میں عطیہ دینے کا عمل سماجی درجہ بندی کے زیر اثر بھی رہا۔ تاہم فلسفیانہ بنیادوں پر دان انسانیت کی خدمت اور روحانی ارتقاء کا ذریعہ تصور کیا گیا ہے، جیسا کہ چانکیہ نیتی میں مذکور ہے:

23 Bhagavad Gītā, 17: 20

24 بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، (بیروت، دار ابن کثیر، 2002)، 1: 88

25 Upanishads, ed. Radhakrishnan, 1 : 114

26 البقرہ: 264

“Charity is the ornament of the wealthy when it uplifts the lowly without pride.”²⁷

”جب خیرات محروموں کو عزت کے ساتھ اوپر اٹھاتی ہے تو یہی مالداروں کا زیور بنتی ہے۔“

یوں دونوں روایات میں فلاح کا مقصد مشترک رہتا ہے، مگر اسلامی تصور میں وقار کی غیر طبقاتی اساس اور ہندو روایت میں طبقاتی اثرات ایک نمایاں فرق کا درجہ رکھتے ہیں۔

فقہی، اخلاقی اور سماجی اصولوں کا تقابلی جائزہ

انسانی معاشروں میں فلاحی اقدار کی تشکیل مالی لین دین کے عمل کے ساتھ ساتھ نیت، اخلاق اور سماجی ڈھانچے کے ہمہ گیر امتزاج سے نمودار ہونے والا تہذیبی مظہر ہے۔ اسلامی نظام زکوٰۃ اور ہندو فلسفہ دانا اگرچہ ایک دوسرے سے ماورائی بنیادوں، اخلاقی جواز اور سماجی ساخت میں مختلف ہیں تاہم اپنی ضمنی باریکیوں میں ایسے لطیف تقابلی پہلو رکھتے ہیں جو مذہبی فہم کے تہذیبی ثمرات کو نمایاں کرتے ہیں۔ دونوں روایتیں مقصدیت، تطہیریت اور اجتماعیت کی تشکیل میں گہرے اثرات رکھتی ہیں، مگر ان اثرات کا طریق ظہور اپنی خصوصیات کے ساتھ مختلف رہتا ہے۔

نیت کا کردار

اسلامی فقہ میں نیت کا مقام عبادت کے پورے چشمہ معنی پر محیط ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»²⁸

”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔“

زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ نیت ”تعبدی“ نوعیت رکھتی ہے، یعنی انسان عبادتِ مالی کے ذریعے مال کی تطہیر اور نفس کی تہذیب دونوں کو ہم آہنگ رکھتا ہے۔ اسی بنا پر نیتِ عبادت کے ساتھ ”اخراج“ ایک قلبی کیفیت کی تجسیم بن جاتا ہے۔

ہندو فلسفے میں نیت کا مرکز پنیا (Punya) اور کرم کی صفائی ہے۔ منوسمرتی میں ہے:

“Dāna performed with pure heart cleanses past karma and brightens future destiny.”²⁹

”صاف دل کے ساتھ کیا گیا دانا سابقہ کرم کو صاف کرتا اور مستقبل کی تقدیر کو روشن کرتا ہے۔“

یعنی یہ تطہیری عنصر انسان کو اس کے عمل کے روحانی نتائج سے وابستہ کرتا ہے اور فلاحی عمل کو اخلاقی ارتقاء کا ذریعہ بناتا ہے۔

اہل استحقاق

اسلام میں زکوٰۃ کا دائرہ آٹھ واضح مصارف پر مشتمل ہے جن کا بیان قرآن میں یوں آیا ہے:

27 Chanakya. Arthasāstra or Chānakya Nītiśāstra. Translated by R. Shamasastri. Mysore: Mysore Press, 1915, Nītiśāstra, 3: 41

28 بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، (بیروت: دار ابن کثیر، 2002)، 1: 9

29 Manu, Manusmṛti, 4: 234

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا...﴾³⁰

“صدقات تو صرف فقیروں، مسکینوں اور ان پر عاملین کے لیے ہیں”

اس فقہی تحدید سے ”استحقاق“ ایک قانونی و ریاستی نظم میں بدل جاتا ہے جہاں عطیہ ذاتی پسند کے بجائے اجتماعی مصالح کے تابع رہتا ہے۔ ہندو معاشرت میں اہل دّان کی فہرست زیادہ وسعت پذیر اور روایتی ہے۔ سنسکرت متون میں فہرست یوں بیان ہوتی ہے: محتاج، برہمن، گرو، آشرم، سادھو اور سنیاشی وغیرہ ویدانتی اُپنشد میں ہے:

“One should give to the worthy: the ascetic, the teacher, the needy, for they sustain the world's order.”³¹

“عطیہ اہل صلاحیت کو دینا چاہیے استاد اور محتاج، کہ وہی دنیا کے نظم کو برقرار رکھتے ہیں۔”

یوں ہندو روایت میں عطیہ کے مستحقین مذہبی اور سماجی دونوں حیثیتوں کا امتزاج رکھتے ہیں، جب کہ اسلامی روایت اس دائرے کو قانونی اور معاشی ضرورت کے زمروں میں مرکوز رکھتی ہے۔

مقدار اور نظم

اسلام میں مقدار کا تعین فقہی طور پر 2.5% کی شرح کے تحت ایک مقررہ سالانہ مالیاتی ذمہ داری کی صورت میں ہوا ہے۔ یہ ایک قابل محاسبہ، منضبط اور ریاستی طور پر نافذ العمل ذمہ داری ہے۔ فقہانے اسے ”نصاب“ اور ”حولانِ حول“ کے اصولوں کے ساتھ جوڑ کر معاشی نظم میں تبدیل کیا۔ ہندو مت میں دّان کی مقدار نہ مقرر ہے نہ لازمی۔ بھگوت گیتا نیت اور کیفیت کو مقدار پر ترجیح دیتی ہے:

“The gift given at the right place, time, and to a worthy person, without expectation, is sattvic.”³²

“جو تحفہ صحیح جگہ، صحیح وقت اور اہل شخص کو بغیر کسی توقع کے دیا جائے وہ ساتویک (پاکیزہ) ہے۔”

یوں مقدار کے بجائے ”کیفیت“ پر زور دّان کے عمل کو روحانی فضیلت کا میدان بنا دیتا ہے، جب کہ اسلام میں مقدار کا تعین عمل کو اجتماعی معاشی نظم میں بدل دیتا ہے۔

نتیجہ خیریت

اسلامی تصورِ زکوٰۃ اپنے نتائج میں معاشی، اخلاقی، نفسیاتی اور ریاستی سطح پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس میں دولت کی گردش، غربت میں کمی، سماجی مساوات، اور ریاستی نظم کی تقویت شامل ہیں، جس سے زکوٰۃ ایک ہمہ گیر بن جاتی ہے۔ فقہی متون اس کے اثرات کو ”تہذیبِ نفس“، ”تظہیرِ مال“ اور ”مثبتِ معاشرت“ کے اصولوں سے جوڑتے ہیں۔

دوسری طرف ہندو دّان کی نتیجہ خیزی میں روحانی، اخلاقی اور کمیونٹی پہلو غالب ہیں۔ مہابھارت میں ایک مقام پر کہا گیا ہے:

“Charity binds hearts, uplifts the giver, and nourishes the community spirit.”³³

”خیرات دلوں کو جوڑتی، دینے والے کو بلند کرتی اور سماجی روح کو غذائیت بخشتی ہے۔“

یعنی یہ نتیجہ خیزی روحانی و اخلاقی وجوہات سے مربوط ہے، جبکہ اسلامی تصور میں نتیجہ ایک معاشی سماجی نظم کے اندر ظاہر ہوتا ہے۔

جدید ریاستی فلاحی ماڈلز اور مذہبی اصولوں کا انضمام

اسلام اور ہندومت کے فلاحی تصورات جب جدید ریاستی ادارہ جاتی ڈھانچوں کے ساتھ ملتے ہیں تو مذہبی حکم، اخلاقی جذبے، قانونی میکانزم اور سوسائٹی کی ضروریات ایک نئے انداز میں یکجا ہوتے ہیں۔ جدید ویلفیئر اسٹیٹس کی تشکیل میں مذہبی خیرات محض ایک عبادت یا اخلاقی نیکی کے طور پر نہیں رہتی، بلکہ اسے پالیسی، گورننس، مالی نظم اور سماجی نتائج کے فریم ورک میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے۔ اس سیشن میں مسلم اور ہندو اکثریتی معاشروں میں زکوٰۃ اور ڈان کے جدید ماڈلز کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مسلم ریاستوں میں زکوٰۃ فنڈنگ

مسلم ممالک میں ریاستی فلاح کے ڈھانچوں میں زکوٰۃ ایک باقاعدہ قانونی اور مالیاتی میکانزم کی صورت اختیار کر چکی ہے۔

• پاکستان میں 1980 سے ریاستی سطح پر زکوٰۃ و عشر آرڈیننس نافذ ہے۔ زکوٰۃ کی خود کارکٹو، مقامات استحقاق کی تعیین، بیت المال کے ساتھ ربط، صحت، تعلیم اور کفالت فنڈز اس نظام کا حصہ ہیں۔ تاہم صوبائی خود مختاری کے بعد اس میں تنوع اور انتظامی تحدیات بھی شامل ہو گئے ہیں۔

• ملائیشیا کا نظام دنیائے اسلام میں سب سے مؤثر سمجھا جاتا ہے، جہاں اسٹیٹ اسلامک ریلیجیوں کو نسلز زکوٰۃ کی وصولی، مانیٹرنگ، کارکردگی، آڈٹ اور پالیسی تجزیہ کے جدید طریقے استعمال کرتی ہیں۔ ”مستحقین کی پروفائلنگ“، ”ڈیجیٹل ادائیگی“ اور ”شریہ کمپلائنس سرمایہ کاری“ اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

• اگرچہ سعودی عرب میں زکوٰۃ انفرادی طور پر بھی دی جاتی ہے، لیکن کاروباری اداروں پر زکوٰۃ ٹیکس کا باقاعدہ نفاذ اور جمع شدہ فنڈز کا سماجی بہبود کے لیے استعمال ایک مضبوط ماڈل پیش کرتا ہے۔

• ای زکوٰۃ، موبائل ادائیگی، بائومیٹرک ویریفیکیشن، مستحقین کا ڈیٹا بیس، جیسے اقدامات مسلم ممالک میں زکوٰۃ کے نظام کو جدید اسلامی مالیات بنا رہے ہیں۔

بھارت میں ڈان کی جدید صورت

• ہندومت میں ڈان چونکہ بنیادی طور پر اخلاقی و روحانی نیکی ہے، اس لیے بھارت میں جدید فلاحی نظام ریاستی پالیسی، مذہبی مراکز اور سول سوسائٹی کے اشتراک سے تشکیل پاتا ہے۔

33 Mahabharata, trans. Ganguli. (Delhi: Munshiram Manoharlal, 1995)12.: 88

- بھارت میں ہزاروں ”NGOs سیوا“، ”سماج کلیان“ اور ”کیونٹی ڈویلپمنٹ“ کے نام سے کام کرتے ہیں۔ ان میں سے کئی مذہبی جذبے پر مبنی ہوتے ہیں، مگر قانونی طور پر غیر مذہبی حیثیت رکھتے ہیں۔
- بڑے بڑے مندروں کے پاس سالانہ اربوں روپے کا دان آتا ہے جو تعلیم، صحت، انا دانم (food distribution) اور سماجی بہبود پر خرچ ہوتا ہے۔
- سیوا تحریکیں یعنی ہندومت کی مذہبی تحریکیں، رام کرشنا مشن، وغیرہ کیونٹی بیسڈ فلاح کے جدید ماڈل تشکیل دے رہی ہیں، جہاں دان مذہبی خدمت اور سماجی ذمہ داری کا نظام بن جاتا ہے۔
- بھارتی حکومت (CSR (Corporate Social Responsibility) ، مذہبی خیرات اور کیونٹی ٹرسٹس کو فلاحی منصوبوں کے ساتھ مربوط کرتی ہے، تاہم دان کی غیر لازمی نوعیت تنظیمی یکسانیت کو محدود کرتی ہے۔

جدید ریاستی ویلفیئر میں دونوں روایات کا کارکردگی کا تجزیہ

جدید نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو زکوٰۃ اور دان دونوں فلاحی اثرات رکھتے ہیں، مگر نتائج میں واضح فرق پیدا ہوتا ہے۔ لازمی بمقابلہ رضاکارانہ نظام یعنی زکوٰۃ چونکہ واجب ہے، اس لیے مسلم معاشروں میں فلاحی فنڈز کی مستقل روانی ممکن ہے۔ دان اختیاری ہونے کی وجہ سے مالیاتی حجم میں وسیع اتار چڑھاؤ رہتا ہے۔

Coverage کا فرق یعنی زکوٰۃ کے مصارف کی تعیین (آٹھ طبقات) اسے ٹارگٹڈ ویلفیئر بناتی ہے، جبکہ دان میں مصارف کی وسعت زیادہ مگر ترجیحات غیر منظم ہوتی ہیں۔

استمراریت یعنی زکوٰۃ کا مالیاتی بہاؤ مستحکم اور مستقل ہوتا ہے، جبکہ دان کی continuity زیادہ تر تہوار، مذہبی مواقع اور معاشرتی تحریکوں پر منحصر ہے۔

ریاستی سرپرستی یعنی مسلم ریاستوں میں زکوٰۃ کی تنظیم کے طور پر ابھر رہی ہے جبکہ بھارت میں فلاح کی ذمہ داری ریاست، مذہبی ٹرسٹ اور NGOs میں تقسیم ہوتی ہے۔

اخلاقی و سماجی فلسفہ میں تقابل

اسلامی اور ہندو اخلاقی دانش دونوں ہی خیرِ عمومی، فردی تزکیہ اور اجتماعی ذمہ داری کے درمیان باریک توازن قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں، مگر ہر روایت کا اخلاقی منطق، مجموعی صورت حال اور نتیجہ خیزی کا محور مختلف ہے۔ ذیل میں تین بڑے محوری نکات پر تقابل نظر پیش ہے۔

انسانی خیر، معاشرتی انصاف اور روحانی ارتقاء اسلام کا ہدف مقصود ہے۔

(إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ)

”اللہ تو عدل، احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔“

اسلامی اخلاقی ڈھانچہ میں خیر کا تصور عدل کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ عدل ایک تنظیمی اصول ہے جو فردی اعمال کو معاشرتی مساوات میں ڈھالنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ عدل اور احسان کے متوازی ہونے سے اجتماعی فلاح کا وہ خاکہ بنتا ہے جس میں روحانی ارتقاء فرد کے تزکیہ نفس کے ساتھ اجتماعی نظم میں بدلے جانے تک محیط رہتا ہے۔ اسی منطق میں زکوٰۃ اور صدقات نہ صرف فرد کو پاکیزگی عطا کرتی ہیں بلکہ نظام معیشت میں وہ تعادل پیدا کرتی ہیں جو انصافِ معاشی کے تقاضے پورے کرے۔

”Dāna given without expectation, at the right place and time, and to a worthy person, is considered sāttvika.”³⁵

”وہ دان جو بغیر توقع بدلے کے مناسب وقت، مقام اور اہل شخص کو دیا جائے، سا توک یعنی پاکیزہ سمجھا جاتا ہے۔“

ہندو اخلاقی نظام میں خیر کا محور کرم و پنیہ کا تصحیحی عمل ہے دان وہ عمل ہے جو کرمی حساب کتاب میں پاکیزگی لاتا ہے اور فردی روحانی منزل کو برقرار کرتا ہے۔ اس منظر میں فلاح عامہ روحانی ارتقاء اور اخلاقی سنسکار کا مظہر بن کر آتی ہے یعنی اجتماعی بھلائی فرد کے اعمال کے نتیجے میں منظم ہوتی ہے، نہ کہ کسی مرکزی قانونی تقاضے کے ذریعے۔

انفرادی و اجتماعی ارتقاء

اسلامی تزکیہ کا منظر عام فرد اور معاشرہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے؛ صدقہ و زکوٰۃ کے اعمال سے نہ صرف فرد کی باطنی حالت مضبوط ہوتی ہے بلکہ وہ معاشرتی طاقتیں بھی متحرک ہوتی ہیں جو اجتماعی نظم کو برقرار رکھتی ہیں۔ یہ باہم تعلق اس اصول پر قائم ہے کہ فردی پرہیزگاری کا ثمر وقتی طور پر صرف نفس کی صفائی نہیں بلکہ سماجی فلاح و بہبود کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ لہذا انفرادی تزکیہ اور اجتماعی استحکام باہم متکامل ہیں۔

« مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ »³⁶

” صدقات نے کسی مال میں کمی نہ کی۔“

ہندو سنسکار کا محور اندرونی مطالعہ نفس اور کرم کے نتیجے میں روحانی ارتقاء ہے؛ فرد جب اپنے اعمال کے عبرت خیز اثرات کو سمجھے تو اس کے ذریعے سماجی ہمدردی اور خدمت فطری طور پر پیدا ہوتی ہے۔ اس روایت میں اجتماعی بہتری فردی اخلاقی تبدیلی کا نتیجہ ہے۔ یعنی معاشرتی ارتقاء فرد کے اخلاقی سفر سے جنم لیتا ہے، جو دان و سروس کے ذریعے عملی شکل پاتا ہے۔

”جو سب کچھ اپنے اندر دیکھ لے۔“³⁷

مذہبی ٹیکس بمقابلہ مذہبی خدمت

35 Bhagavad Gītā 17:20

36 بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، (قاہرہ: دارالکتب، 2002)، 2: 54

37 Upanishads, ed. Radhakrishnan 1: 114

زکوٰۃ ایک منظم مذہبی ٹیکس کے قالب میں سیاسی و معاشی نظم کے زیر اثر ہے؛ اس کی واجبیت، نصابِ معین، اور مصارف کی فقہی تحدید اس کو ریاستی فلاحی پالیسی کا جز و بنیاد بنتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے نفاذ سے فلاح عامہ کا کردار متوقع، ٹارگٹڈ اور گورننس کے دائرے میں آتا ہے اور اسی تناظر میں اس کے اخلاقی، نفسیاتی اور ریاستی اثرات بھی ایک مربوط ڈھانچے میں ظاہر ہوتے ہیں۔

(إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ...) ³⁸

”سب سے افضل دان وہ ہے جو پوشیدہ ہو، درمیانہ وہ جو بدلے کے علم میں ہو۔“ ³⁹

دان کا جو ماڈل ہندو وراثت میں غالب ہے وہ مذہبی خدمت کی اختیاری اور اخلاقی نوعیت کو ترجیح دیتا ہے؛ اس کا ثبوت امر پوشیدگی، نیت کی پاکیزگی اور کرم کے نتیجے میں آنے والی روحانی نفع میں مضمر ہے۔ اس ماڈل میں فلاح کا پیمانہ ریاستی میکا نزم سے زیادہ معاشرتی و روحانی ضابطوں، مقامی اداروں اور فردی ایمانی نوعیت سے منسلک ہوتا ہے۔ نتیجتاً دان کی معاشرتی کارکردگی اکثر community-driven اور context-dependent رہتی ہے، جبکہ زکوٰۃ کی کارکردگی institutionalized اور قابل پیٹنگوئی ہوتی ہے۔

امتيازات و تفردات

اسلام اور ہندومت بظاہر دونوں میں خیر و احسان کی اخلاقی لطافت یکساں دکھائی دیتی ہے، تاہم ان کی فلسفیانہ بنیادوں اور معاشرتی مقصدیت میں نمایاں امتیازات پائے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ کا تصور اسلامی نظام معیشت کے اندر ایک منضبط اور شرعی میکا نزم کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے، جبکہ دان ہندو اخلاقیات میں کرم کی پاکیزگی، روحانی محاسبے اور طبقاتی خدمت کی ایک اختیاری صورت بنتا ہے۔

زکوٰۃ شریعت کی لازمی معاشی پالیسی ہے۔

(خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا) ⁴⁰

”ان کے مالوں سے صدقہ لے جو انہیں پاک اور پاکیزہ کر دے۔“

اسلامی فقہ زکوٰۃ کو فردی اختیار کے بجائے ریاستی ذمہ داری کے طور پر دیکھتی ہے؛ یہ ایک ایسا نظام ہے جو حکومت کے توسط سے مالیات کو گردش میں رکھ کر معاشرتی عدل کو بحال کرتا ہے۔ زکوٰۃ محض اخلاقی ترغیب نہیں بلکہ «تشریحی و انتظامی حکم» کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے اس کا مقصد اخلاقی تطہیر کے ساتھ ساتھ معاشی تنظیم بھی ہے۔

دان کرم مرکوز اخلاقی مشق ہے۔

38 التوبہ 9:60

39 بھوشیہ پوران، 3:112

40 التوبہ 9:103

“Dāna is the purifier of karma when given with humility and without expectation.”⁴¹

“وہ دانا کرم کو پاک کرتا ہے جو انکسار کے ساتھ اور بغیر توقع کے دیا جائے۔”

ہندو فلسفے میں دانا روحانی اعمال کے سلسلے میں شامل ہے، جو فرد کے کرم پھل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ نتیجتاً یہ ریاستی نظم کے بجائے اخلاقی-روحانی درجہ بندی کے اندر اپنی وجہ صف بندی تلاش کرتا ہے، جہاں محروم کی امداد سے بڑھ کر عطا کرنے والے کی روحانی کیفیت مرکزی اہمیت رکھتی ہے۔ زکوٰۃ معاشی انصاف کا باقاعدہ میکانزم ہے۔

اسلامی فکر میں عدل کے بغیر معاشرہ اپنی ساخت برقرار نہیں رکھ سکتا، اور زکوٰۃ اس عدل کا عملی میکانزم بن کر سامنے آتی ہے۔

«إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ»⁴²...

مقررہ مصارف، شریعت کی تعینات اور نصاب کی حد بندی زکوٰۃ کو ایک institutionalized welfare framework بناتی ہیں جو معاشی عدم مساوات کو پائیدار طور پر کم کرتا ہے۔

دانا اخلاقی و روحانی درجہ بندی کی روایت ہے۔ ہندومت میں خیر کا درجہ عطا کرنے والے کے نیت، حسبِ مقام، اور روحانی حیثیت پر منحصر ہوتا ہے۔ “پاکیزہ دانا سا توک سمجھا جاتا ہے۔”⁴³

یہ تصور معاشرتی فلاح تک محدود نہیں بلکہ روحانی مراتب و سنسکار کی تشکیلات سے وابستہ ہے، جس سے معاشرتی ہمدردی ضرور بڑھتی ہے مگر طبقاتی ساخت کو چیلنج نہیں کرتی۔

زکوٰۃ غربت کے منظم خاتمے کی حکمتِ عملی ہے۔

زکوٰۃ کے لازمی اور مسلسل نفاذ کے باعث مسلمانوں میں ایک continuous redistributive flow وجود میں آتا ہے، جو غربت کے خاتمے کو محض اخلاقی نہیں بلکہ معاشی مقصد کے طور پر لیتا ہے—پالیسی لیول پر ثابت شدہ، قابلِ پیشگوئی اور حساب دہ۔

دانا معاشرتی ہمدردی کے فروغ ذریعہ ہے۔

دانا کا نظام بنیادی طور پر cultural-humane philanthropy پر قائم ہے۔ یہ معاشرتی ہمدردی کو بڑھاتا تو ہے مگر غربت کے ڈھانچے میں تبدیلی کے لیے institutional strength فراہم نہیں کرتا، کیوں کہ یہ لازمی یا منظم نظام نہیں بلکہ انفرادی عقیدوں اور مذہبی جذبات کا تابع ہے۔

خلاصہ کلام

41 Manu·Manusmṛti4:226

42 التوبہ 9:60

43 Bhagavad Gītā 17:20

اسلام اور ہندومت، دونوں میں خیر، خدمت اور معاشرتی بہبود کی اقدار کا غیر منقطع تسلسل پایا جاتا ہے تاہم ان اقدار کے نظریاتی سرچشمے، قانونی حیثیت، اخلاقی مقصدیت اور سماجی اثر پذیری میں بنیادی نوعیت کا فرق ملتا ہے۔ اسلامی روایت میں خیر کا قانونی و اخلاقی محور عدل ہے ایک منظم سماجی ذمہ داری، جس کا ظہور زکوٰۃ، صدقات اور اوقاف جیسے اداروں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس کے مقابل ہندو روایت میں خیر کا محور کرم اور پنیہ ہے، جس کے ذریعے فرد اپنی روحانی فلاح اور اخلاقی سندسکار تک رسائی پاتا ہے۔ زکوٰۃ محض دینی نیکی نہیں بلکہ شرعی-ریاستی معاشی پالیسی ہے۔ دان کی اساس ریاستی نظم پر نہیں بلکہ اخلاقی خدمت اور ذاتی سندسکار پر ہے۔ اسلامی نظام میں فلاح معاشی نظم کا جزو لاینفک ہے۔ جو حکومتی نظم، مالیاتی حکمت عملی، اور سماجی عدل سے مربوط ہے۔ ہندومت میں فلاح ایک روحانی-اخلاقی شیوہ ہے، جس کی اصل غایت فرد کے پنیہ اور کرم کی صفائی ہے، نہ کہ معاشی ڈھانچے کی تبدیلی۔ زکوٰۃ آمدنی کی گردش، طبقاتی خلیج کی کمی اور معاشی برابری کو institutional level پر فروغ دیتی ہے۔ دان معاشرتی ہم دردی، خدمت اور شخصی دریادلی کو جلا دیتا ہے، مگر اس کا اثر moral cohesion کی حد تک ہوتا ہے، نہ کہ structural equality تک۔

مصادر و مراجع

- القرآن الکریم
- ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الأموال، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1989ء)۔
- ابن خلدون، عبدالرحمن، المقدمة، (بیروت، دار الفکر، 2004)۔
- ابو داؤد، سلیمان بن الأشعث، السنن، (بیروت، الرسالہ، 2009)۔
- بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، (بیروت، دار ابن کثیر، 2002)۔
- رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، (بیروت، دار الفکر، 2000ء)۔

English Sources

- Chanakya. Arthaśāstra or Chānakya Nītiśāstra. Translated by R. Shamasastri. Mysore: Mysore Press, 1915.
- The Laws of Manu (Manusmṛiti). Translated by G. Buhler. I. London: Penguin Books, 1991.
- The Mahābhārata. Translated by Kisari Mohan Ganguli. 12 vols. Delhi: Munshiram Manoharlal, 1970–1995.
- The Upaniṣads. Translated by Patrick Olivelle. Oxford: Oxford University Press, 1998. (or a specific Upanishad, e.g.) New York: Oxford University Press, 1998.
- The Bhagavad Gītā. Translated by Barbara Stoler Miller. New York: Bantam Books, 1986.
- Viṣṇu. The Viṣṇu Smṛti. Translated by Julius Jolly. Sacred Books of the East, vol. 7. Oxford: Clarendon Press, 1880